ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

USMAN NOTES
www.usmannotes.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 3951

Program: BS (Islamic Studies)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

(شعبہ شریعہ، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ)

کورس: فقہ (کتاب البیوع تا الشہادہ) (3951)

پروگرام: بی ایڈ (علوم اسلامیہ)

سمسٹر: خزاں 2026ء

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ 01 تا 04)

کل نمبر: 100 — کامیابی کے نمبر: 50

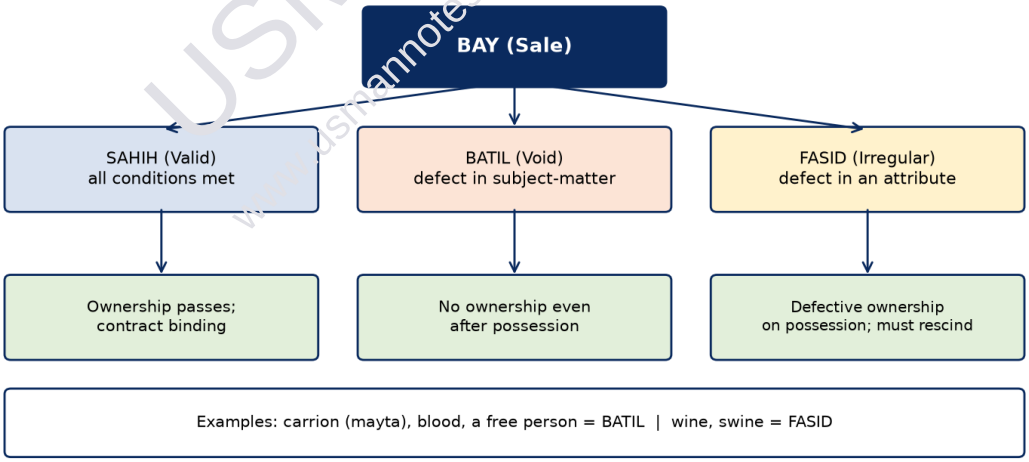
Reference &For Study — SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعہ اور رہنمائی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ ہدایہ اور نصابی کتب کے متعلقہ ابواب کا مطالعہ کر کے مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور امتحانی مشق اپنے الفاظ اور اپنے اندازِ تحریر میں لکھیں، کیونکہ ہو بہو نقل کی گئی مشق یونیورسٹی کے ضوابط کے مطابق قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ اس گائیڈ میں عباراتِ ہدایہ کا ترجمہ و تشریح اور ائمہ کے اقوال و دلائل تعلیمی انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔

احتیاطی نوٹ: یہ گائیڈ فقہِ حنفی کی مشہور کتاب ہدایہ کے متن پر مبنی ایک تعلیمی خلاصہ ہے۔ فقہی اقوال کو سمجھنا اور ان کا موازنہ کرنا طالب علم کا علمی کام ہے، تاہم کسی عملی، ذاتی یا تجارتی مسئلے میں حتمی شرعی رہنمائی کے لیے مستند عالمِ دین یا دارالافتاء سے رجوع کرنا چاہیے؛ کسی فرد یا معاملے پر شرعی حکم کا اطلاق اہلِ علم و افتاء کا کام ہے۔ قرآنی آیات اور احادیث کے مفاہیم یہاں حوالے کے ساتھ اپنے الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں۔

کورس کا تعارف اور اس مشق کا جائزہ

کورس فقہ (3951) کی بنیاد فقہِ حنفی کی معتبر کتاب ہدایہ کے کتاب البیوع سے ہے۔ امتحانی مشق نمبر 1 یونٹ 01 تا 04 پر مشتمل ہے اور اس کے پانچوں سوالات ایک ہی انداز کے ہیں: پہلے صاحبِ ہدایہ کی ایک عبارت کا ترجمہ و تشریح مطلوب ہے اور پھر اسی عبارت سے متعلق فقہی مسئلے پر ائمہ کے اقوال و دلائل۔ موضوعات کی ترتیب بھی تدریجی ہے: پہلے عقدِ بیع کا انعقاد، پھر خیارِ شرط، پھر خیارِ عیب، پھر اقالہ و فاسد بیع کا فرق، اور آخر میں مرابحہ و تولیہ میں خیانت کا حکم۔ ذیل کے خاکے میں بیع کی وہ درجہ بندی دکھائی گئی ہے جو سوال نمبر 4 کا مرکزی موضوع ہے؛ خاکے کے عنوانات تکنیکی ضرورت کے تحت انگریزی رسم الخط میں دیے گئے ہیں۔ ہر سوال کا جواب تعارف، ترجمہ، تشریح، تفصیلی بحث، ضرورت کے مطابق جدول اور خلاصے پر مشتمل ہے تاکہ طالب علم مشق کو اسی ترتیب سے اپنے الفاظ میں لکھ سکے۔



خاکہ 1: فقہِ حنفی میں بیع کی درجہ بندی — صحیح، باطل اور فاسد (سوال نمبر 4 سے متعلق)

سوال نمبر 1 (20 نمبر)

سوال: صاحبِ ہدایہ کی درج ذیل عبارت کا ترجمہ اور تشریح کریں۔ نیز بیع کے انعقاد میں صیغۂ ایجاب و قبول کے شرعی احکام و دلائل تحریر کریں۔ (20 نمبر) — عبارت: قَالَ:

(اَلْبَيْعُ يَنْعَقِدُ بِالْإِيْجَابِ وَالْقَبُوْلِ بِاللَّفْظَيْنِ الْمُخْبِرِ بِهِمَا عَنِ الْمَاضِيْ؛ لِأَنَّ الْبَيْعَ إِنْشَاءُ التَّصَرُّفِ وَإِثْبَاتُ الْمِلْكِ، وَاللَّفْظُ الْمَوْضُوْعُ لِإِنْشَاءِ شَرْعًا فَيُجْعَلُ الْمَاضِيْ إِثْبَاتًا لَهُ.)

تعارف

فقہِ اسلامی میں کتاب البیوع کا آغاز بیع کی تعریف اور اس کے انعقاد کی کیفیت سے ہوتا ہے، کیونکہ تمام تجارتی معاملات کی بنیاد یہی عقد ہے۔ صاحبِ ہدایہ علامہ برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ نے کتاب البیوع کی پہلی سطور میں یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ بیع کس چیز سے منعقد ہوتی ہے اور اس کے الفاظ کیسے ہونے چاہئیں۔ بیع کی لغوی تعریف یہ ہے کہ کسی مال کا دوسرے مال سے تبادلہ کیا جائے، اور شرعی تعریف فقہاء نے یوں کی ہے کہ مال کا مال کے ساتھ اس خاص طریقے سے تبادلہ ہو جس سے ملکیت منتقل ہو جائے اور یہ تبادلہ باہمی رضامندی سے ہو۔ سورۃ البقرہ (2:275) میں تجارت کے حلال ہونے اور سود کے حرام ہونے کا مفہوم بیان ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رضامندی پر مبنی سچی تجارت شریعت کی نظر میں پسندیدہ اور جائز ہے۔ اس سوال میں پہلے عبارتِ ہدایہ کا ترجمہ و تشریح پیش کی جائے گی، پھر ایجاب و قبول کے احکام اور ان کی شرائط دلائل کے ساتھ بیان کی جائیں گی۔

عبارت کا ترجمہ

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: بیع ایجاب و قبول سے منعقد ہوتی ہے، جب کہ یہ دونوں ایسے دو لفظوں سے ادا ہوں جو زمانۂ ماضی پر دلالت کریں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع درحقیقت ایک تصرف کو وجود میں لانا اور ملکیت کو ثابت کرنا ہے، اور جو لفظ شرعاً انشاء (نیا حکم وجود میں لانے) کے لیے مقرر کیا گیا ہے، اس میں زمانۂ ماضی کو اثبات و تحقق کے لیے بنایا گیا ہے۔ سادہ الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ جب بائع کہے کہ میں نے یہ چیز اتنے روپوں میں فروخت کر دی، اور مشتری کہے کہ میں نے خرید لی، تو ان ماضی کے صیغوں سے بیع کا عقد شرعاً مکمل ہو جاتا ہے اور ملکیت منتقل ہو جاتی ہے۔

تشریح: مفردات اور مفہوم

ایجاب کہتے ہیں اس پہلے کلام کو جو دونوں فریقوں میں سے کوئی ایک ملکیت ثابت کرنے کے لیے کہے؛ مثلاً بائع کا یہ کہنا کہ میں نے یہ چیز بیچ دی، یا مشتری کا پہلے یہ کہنا کہ میں نے یہ چیز آپ سے خرید لی۔ قبول وہ دوسرا کلام ہے جو پہلے کہنے والے کی بات کی موافقت میں اسی مجلس میں کہا جائے۔ دونوں کلاموں کا باہم ملنا ہی عقد ہے۔ صاحبِ ہدایہ نے اس

کے لیے لفظین معبر بہما عن الماضی کی قید اس لیے لگائی کہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ انشاء کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال ہو، کیونکہ ماضی کے لفظ میں تحقق اور قطعیت کا مفہوم پایا جاتا ہے؛ کہنے والے کا مقصد خبر دینا نہیں ہوتا بلکہ اسی لمحے ملکیت کو وجود میں لانا ہوتا ہے۔ اسی نکتہ کو عبارت میں یوں واضح کیا گیا کہ بیع اخبار نہیں انشاء ہے؛ یعنی گزشتہ واقعے کی خبر نہیں دی جارہی بلکہ نیا شرعی اثر، یعنی ملکیت کی منتقلی، اسی مجلس میں پیدا کیا جارہا ہے۔ چونکہ شرع نے ماضی کے صیغے کو ہی اس انشاء کے لیے معتبر قرار دیا ہے، اس لیے میں نے بیچ دیا اور میں نے خرید لیا کہتے ہی عقد مکمل ہو جاتا ہے، خواہ عملاً سودا ابھی رفت ہو رہا ہو۔

یہاں یہ نکتہ بھی سمجھنا ضروری ہے کہ الفاظ کے ظاہری زمانے کو نہیں دیکھا جاتا بلکہ فریقین کی مراد اور عرف کو دیکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص آئندہ کا وعدہ کرے کہ میں کل یہ چیز بیچوں گا، تو یہ وعدہ ہے عقد نہیں، کیونکہ مستقبل کے صیغے میں انشاء کا تحقق نہیں پایا جاتا۔ اسی طرح اگر فریقین کے درمیان گفتگو جاری ہو اور ابھی قبول نہ ہوا ہو تو ایجاب کرنے والے کو رجوع کا حق رہتا ہے، لیکن قبول کے بعد عقد لازم ہو جاتا ہے اور پھر کسی ایک فریق کو یکطرفہ طور پر ختم کرنے کا اختیار نہیں رہتا، الا یہ کہ خیارِ شرط، خیارِ عیب یا باہمی رضامندی سے اقالہ کی کوئی صورت موجود ہو۔

ایجاب و قبول کے شرعی احکام اور شرائط

فقہاء نے ایجاب و قبول کے درست ہونے کے لیے چند شرائط بیان کی ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ایجاب اور قبول ایک ہی مجلس میں ہوں؛ مجلس سے مراد وہ نشست ہے جس میں سودے کی گفتگو ہو رہی ہو۔ اگر ایک فریق نے ایجاب کیا اور دوسرے نے اس مجلس کے ختم ہونے کے بعد قبول کیا تو عقد منعقد نہیں ہو گا، کیونکہ دونوں کلاموں کا تعلق منقطع ہو چکا ہو گا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ قبول ایجاب کے موافق ہو؛ اگر بائع نے چیز ایک ہزار روپے میں پیش کی اور مشتری نے آٹھ سو میں قبول کیا تو یہ نیا ایجاب شمار ہو گا، پہلے ایجاب کا قبول نہیں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ دونوں فریق اہلیت رکھتے ہوں، یعنی عاقل ہوں اور تصرف کی شرعی اہلیت سے محروم نہ ہوں؛ نابالغ ممیز بچے کا تصرف ولی کی اجازت سے وابستہ رہتا ہے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ مبیع اور ثمن معلوم ہوں تاکہ جہالت کی وجہ سے نزاع پیدا نہ ہو۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ ایجاب کرنے والا قبول سے پہلے اپنے ایجاب پر قائم رہے؛ اگر اس نے رجوع کر لیا یا مجلس ختم ہو گئی تو بعد کا قبول بے اثر ہو گا۔

اب صیغوں کی اقسام ملاحظہ ہوں۔ اصل اور معتبر ترین صیغہ ماضی کا ہے، جیسا کہ عبارتِ ہدایہ میں بیان ہوا۔ رہا مضارع کا صیغہ، جیسے کوئی کہے کہ میں یہ چیز بیچتا ہوں اور دوسرا کہے کہ میں خریدتا ہوں، تو اگر اس سے حال ہی مراد ہو اور گفتگو سودا طے کرنے ہی کی ہو تو حنفیہ کے نزدیک اس سے بھی عقد منعقد ہو جاتا ہے، کیونکہ مضارع حال اور استقبال دونوں کے لیے آتا ہے اور مجلس کا قرینہ حال کی تعیین کر دیتا ہے؛ البتہ احتیاط اور افضلیت ماضی ہی میں ہے۔ اس کے برعکس امر کا صیغہ، جیسے یہ چیز خرید لو، بذاتِ خود انشاء کا صیغہ نہیں سمجھا جاتا، کیونکہ وہ دوسرے سے طلب کا مفہوم رکھتا ہے، مگر اگر عرف میں اسی کو ایجاب سمجھا جاتا ہو اور دوسرا فریق قبول کر لے تو فقہاء نے قرائن کی روشنی میں اس کی گنجائش بھی بیان کی ہے۔ گونگے شخص کا معتبر اشارہ اور اس کی تحریر بھی اس کے ایجاب و قبول کے قائم مقام ہے، کیونکہ اشارہ اس کے لیے بیان کا درجہ رکھتا ہے۔ اسی طرح خط و کتابت کے ذریعے بھی عقد ہو سکتا ہے، بشرطیکہ دوسرے فریق کی مجلس میں وہی خط پڑھ کر سنایا کیا جائے۔

ایک اہم صورت بیعِ تعاطی ہے، جسے معاطاۃ بھی کہتے ہیں؛ یعنی فریقین زبان سے ایجاب و قبول کہے بغیر عملاً تبادلہ کر لیں، جیسے گاہک نے دکان سے چیز اٹھائی، قیمت کاؤنٹر پر رکھ دی اور دکاندار نے لے لی۔ حنفیہ کے نزدیک عام عرف اور معمول کے سودوں میں یہ بیع جائز اور منعقد ہے، کیونکہ عمل بھی رضامندی کی واضح دلیل ہے اور بازاروں کا معاملات اسی پر چلتا ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ عقد کا اصل مقصد باہمی رضا اور ملکیت کی منتقلی ہے، اور جب یہ مقصد عمل سے واضح ہو جائے تو صورتِ لفظی کی عدم موجودگی مضر نہیں رہتی۔ البتہ بڑے اور غیر معمولی سودوں میں صراحتِ لفظی ہی بہتر اور نزاع سے محفوظ راستہ ہے۔

جدول 1: صیغۂ ایجاب و قبول کی اقسام اور ان کا حکم

صیغہ	مثال	حکم
ماضی	میں نے بیچ دیا — میں نے خرید لیا	اصل صیغہ؛ اسی سے عقد منعقد ہوتا ہے
مضارع (حال مراد ہو)	میں بیچتا ہوں — میں خریدتا ہوں	حنفیہ کے نزدیک مرادِ حال ہو تو منعقد
مستقبل / وعدہ	میں کل بیچوں گا	عقد نہیں، محض وعدہ ہے

قائل کے لیے بیان کے قائم مقام	گونگے کا معتبر اشارہ، خط و کتابت	اشارہ و تحریر
عرفی سودوں میں حنفیہ کے نزدیک جائز	چیز اور قیمت کا بغیر گفتگو تبادلہ	تعاطی (عملی تبادلہ)

خیارِ مجلس سے متعلق اجمالی وضاحت

ایجاب و قبول کے بعد عقد کے لازم ہونے کے بارے میں ایک مشہور بحث خیارِ مجلس کی ہے۔ مشہور روایت کا مفہوم یہ ہے کہ خرید و فروخت کرنے والے دونوں کو اس وقت تک اختیار رہتا ہے جب تک وہ مجلس سے جدا نہ ہوں (اس روایت کو امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے)۔ حنفیہ اس مفہوم کو خیارِ قبول پر محمول کرتے ہیں یا اس مجلس کو گفتگو کی مجلس قرار دیتے ہیں؛ ان کے نزدیک ایجاب و قبول مکمل ہوتے ہی عقد لازم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد مجلس میں بیٹھے رہنے سے فسخ کا حق نہیں ملتا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک عقد کے بعد بھی مجلس ختم ہونے تک دونوں کو خیار حاصل رہتا ہے۔ یہ اختلافی مسئلہ ہے اور اس کا ذکر یہاں صرف علمی تکمیل کے لیے کیا گیا ہے؛ طلبہ کو اپنے مسلک کے مفتی بہ قول ہی کو اختیار کرنا چاہیے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ بیع کا انعقاد ایجاب و قبول کے اجتماع پر موقوف ہے اور اس کا اصل صیغہ زمانۂ ماضی کے دو لفظ ہیں، کیونکہ بیع خبر نہیں انشاء ہے اور شرع نے ماضی کو اس انشاء کے اثبات کے لیے مقرر کر دیا ہے۔ ایجاب و قبول کے لیے مجلس کی وحدت، باہمی موافقت، فریقین کی اہلیت اور مبیع و ثمن کا معلوم ہونا شرط ہے۔ مضارع مرادِ حال کے ساتھ، معتبر اشارہ، تحریر اور عرفی تعاطی کی صورتیں بھی فقہاء نے اصولوں کی روشنی میں بیان کی ہیں۔ طالب علم کو چاہیے کہ وہ عبارتِ ہدایہ کے ہر لفظ کا مفہوم سمجھ کر یہ مسئلہ اپنے الفاظ میں لکھے اور دلائل میں ترتیب و اختصار کا لحاظ رکھے۔

سوال نمبر2 (20نمبر)

سوال: صاحب ہدایہ کی درج ذیل عبارت کا ترجمہ اور تشریح کریں۔ نیز خیارِ شرط کی مدت کے سلسلے میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل بیان کریں۔(20) ــعبارت: قَالَ: (خِيَارُ الشَّرْطِ جَائِزٌ فِي الْبَيْعِ لِلْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِي وَلَهُمَا الْخِيَارُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فَمَا دُونَهَا... لَا يَجُوزُ أَكْثَرُ مِنْ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، وَهُوَ قَوْلُ زُفَرَ وَالشَّافِعِيِّ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ رَحِمَهُمَا اللهُ: يَجُوزُ إِذَا سَمَّى مُدَّةً مَعْلُومَةً.)

تعارف

خیارات بیع کے ان مباحث میں سے ہیں جو خریدار و فروخت کنندہ دونوں کے مفاد کی حفاظت کرتے ہیں۔ بعض اوقات کوئی شخص چیز خرید تو لیتا ہے مگر اسے مزید سوچنے، مشورہ کرنے یا چیز کو اچھی طرح جانچنے کی مہلت درکار ہوتی ہے، اور بعض اوقات فروخت کنندہ بھی اسی ضرورت میں ہوتا ہے۔ اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے شریعت نے خیارِ شرط کی گنجائش رکھی ہے، یعنی عقد کے وقت یہ شرط لگا دی جائے کہ فلاں مدت تک فلاں فریق کو عقد برقرار رکھنے یا فسخ کرنے کا اختیار ہو گا۔ صاحب ہدایہ نے اس عبارت میں خیارِ شرط کے جواز اور اس کی مدت کے بارے میں ائمہ کے اختلاف کو اختصار سے بیان فرمایا ہے۔ اس جواب میں پہلے عبارت کا ترجمہ و تشریح، پھر خیارِ شرط کی تعریف و مشروعیت، اس کے بعد مدت کے اختلاف اور ہر فریق کے دلائل تفصیل سے پیش کیے جائیں گے۔

عبارت کا ترجمہ

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: بیع میں خیارِ شرط جائز ہے، بائع کے لیے بھی اور مشتری کے لیے بھی، اور دونوں کو تین دن یا اس سے کم مدت کا اختیار حاصل ہو سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تین دن سے زیادہ مدت کا خیار جائز نہیں، اور یہی قول امام زفر اور امام شافعی رحمہما اللہ کا ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اگر مدت معلوم و مقرر کر دی جائے تو (تین دن سے زیادہ مدت کا) خیار بھی جائز ہے۔ عبارت میں تین دن فما دونہا کا مطلب یہ ہے کہ اختیار کی مدت تین دن مقرر ہو یا اس سے کم، مثلاً ایک دن یا دو دن، تو بالاتفاق جائز ہے؛ اختلاف صرف اس صورت میں ہے جب مدت تین دن سے بڑھا دی جائے۔

تشریح: خیارِ شرط کی حقیقت اور احکامِ عامہ

خیارِ شرط اس اختیار کو کہتے ہیں جو عقد کے اندر شرط کی بنا پر کسی ایک فریق، یا دونوں، یا کسی تیسرے شخص کے لیے مقرر مدت تک ثابت ہو۔ اس کی عام صورتیں یہ ہیں کہ مشتری کہے کہ میں یہ چیز اس شرط پر خریدتا ہوں کہ تین دن تک مجھے اختیار ہوگا، چاہوں تو رکھ لوں اور چاہوں تو واپس کر دوں۔ اس خیار کا اثر یہ ہوتا ہے کہ مدت کے اندر صاحبِ خیار عقد کو فسخ بھی کر سکتا ہے اور برقرار بھی رکھ سکتا ہے؛ اگر مدت گزر جائے اور فسخ نہ کرے تو عقد لازم ہو جاتا ہے۔ اگر صاحبِ خیار مبیع میں ایسا تصرف کر دے جو ملکیت پر دلالت کرے، مثلاً اسے آگے فروخت کر دے یا استعمال میں لے آئے، تو اس کا خیار ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تصرف رضامندی کی علامت ہے۔ اسی طرح مدت کے اندر مبیع کا مشتری کے قبضے میں ہلاک ہو جانا بھی احکام پر اثر ڈالتا ہے، جس کی تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ خیارِ شرط کس کے لیے ہو سکتا ہے؟ صاحبِ ہدایہ کے بیان کے مطابق یہ بائع اور مشتری دونوں کے لیے ہو سکتا ہے، حتیٰ کہ کسی اجنبی تیسرے شخص کے لیے بھی شرط ہو سکتی ہے کہ اس کی رضی پر عقد کا فیصلہ ہوگا، کیونکہ مقصد غور و فیصلے کی مہلت ہے اور وہ کسی معتبر شخص کے سپرد بھی کی جا سکتی ہے۔

مدت کے بارے میں ائمہ کا اختلاف

پہلا قول امام ابو حنیفہ، امام زفر اور امام شافعی رحمہم اللہ کا ہے کہ خیارِ شرط کی مدت زیادہ سے زیادہ تین دن ہے؛ اس سے زائد مدت کی شرط لگائی گئی تو شرط ناجائز ہوگی اور اس کے نتیجے میں بیع کے حکم پر بھی اثر پڑے گا۔ ان حضرات کی پہلی دلیل یہ ہے کہ خیارِ شرط اصل قیاس کے خلاف نص اور ضرورت کی بنا پر ثابت ہوا ہے؛ قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ عقد مکمل ہوتے ہی لازم ہو جائے، مگر نص سے مہلت کی گنجائش ملی، اس لیے اسی حد تک عمل ہوگا جس حد تک دلیل موجود ہے، اور زائد مدت پر قیاس کرنا درست نہیں۔ دوسری دلیل مشہور واقعہ ہے جس میں ایک صحابی کو خریداری میں بار بار دھوکا لگتا تھا تو انہیں ہدایت کی گئی کہ جب تم سودا کرو تو کہہ دیا کرو کہ دھوکا نہ ہو اور مجھے تین دن کا اختیار ہوگا (اس مفہوم کی روایت صحیح مسلم میں مذکور ہے)۔ اس واقعے میں تین دن کی مدت کا ذکر تعیین کے طور پر آیا ہے، اس لیے فقہاء کی اس جماعت نے تین دن کو حد قرار دیا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ غور و مشورے کی ضرورت عام طور پر تین دن میں پوری ہو جاتی ہے اور اس سے زائد مہلت میں غرر اور نزاع کا پہلو بڑھ جاتا ہے، کیونکہ ملکیت غیر متعین رہتی ہے اور بازار کی قیمتیں بدلتی رہتی ہیں۔

دوسرا قول صاحبین، یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ، کا ہے کہ اگر مدت معلوم و متعین ہو تو وہ تین دن سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے، مثلاً ایک ہفتہ یا ایک مہینہ؛ اصل شرط یہ ہے کہ مدت مجہول نہ ہو، کیونکہ جہالت ہی نزاع کا سبب بنتی ہے اور جب مدت مقرر کر دی گئی تو جہالت باقی نہیں رہتی۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خیارِ شرط دراصل فریقین کی باہمی رضا سے طے پانے والی ایک جائز شرط ہے اور مسلمان اپنی جائز شرائط کے پابند ہوتے ہیں؛ جب اصل خیار شرعاً جائز ثابت ہو گیا تو اس کی مدت کا تعین بھی فریقین کی ضرورت پر چھوڑا جا سکتا ہے۔ نیز بعض معاملات میں تین دن کافی نہیں ہوتے؛ مثلاً دور دراز کی جائیداد کی جانچ، ماہرین کی رائے یا بڑی مشینری کا تجربہ تین دن میں ممکن نہیں ہوتا، لہٰذا ضرورت کا تقاضا یہ ہے کہ معلوم مدت تک اختیار کی اجازت ہو۔ تین دن والی روایت کے بارے میں ان کا جواب یہ ہے کہ وہ ایک خاص شخص کی خاص حالت کے لیے ہدایت تھی، عام حد بندی کی نص نہیں، اس لیے اس سے زیادہ مدت پر پابندی لازم نہیں آتی۔

جدول 1: خیارِ شرط کی مدت پر ائمہ کے اقوال کا موازنہ

پہلو	ابو حنیفہ، زفر، شافعی رحمہم اللہ	ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ
زیادہ سے زیادہ مدت	تین دن	جتنی مدت بھی مقرر و معلوم ہو
بنیادی دلیل	خیار خلافِ قیاس نص سے ثابت؛ نص تین دن تک محدود	مدت معلوم ہو تو جہالت نہیں؛ شرط رضا پر مبنی
تین دن والی روایت کی حیثیت	حد بندی کی دلیل	خاص واقعے کی ہدایت، عام حد نہیں
تین دن سے زائد شرط کا نتیجہ	جائز نہیں	جائز، بشرطیکہ مدت معلوم ہو

خیارِ شرط کے مزید احکام

خیارِ شرط سے متعلق چند مزید احکام کا جاننا بھی مفید ہے۔ ایک یہ کہ جس فریق کے لیے خیار ہو، مدت کے اندر اس کا فسخ دوسرے فریق کی رضامندی یا اس کی موجودگی کے بغیر بھی درست ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ اس کا شرعی حق ہے۔ دوسرا یہ کہ صاحبِ خیار کی وفات سے خیار اس کے وارث کی طرف منتقل نہیں ہوتا، کیونکہ خیار ایک ذاتی اختیار ہے جو اس کی رائے اور پسند سے متعلق ہے، مال نہیں کہ ورثے میں چلے۔ تیسرا یہ کہ اگر مدت کے اندر مبیع میں کوئی ایسا عیب پیدا ہو جائے یا مبیع ہلاک ہو جائے تو احکام صورت کے مطابق بدل جاتے ہیں اور فسخ کی گنجائش محدود ہو جاتی ہے۔ چوتھا یہ کہ خیارِ شرط والے سودے میں مدت کا صاف اور غیر مبہم تعین بہت ضروری ہے؛ دن، تاریخ یا مدت کی مقدار میں ابہام خود اختلاف کا دروازہ کھول دیتا ہے، اس لیے تحریری معاہدوں میں مدت ہمیشہ واضح لکھنی چاہیے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ خیارِ شرط بائع و مشتری دونوں کے لیے شریعت کی دی ہوئی جائز سہولت ہے جس سے عقد کے بعد غور و فیصلے کی مہلت مل جاتی ہے۔ تین دن تک کی مدت میں سب کا اتفاق ہے؛ اس سے زائد میں اختلاف ہے: امام ابو حنیفہ، زفر اور شافعی رحمہم اللہ نص کی حد بندی اور غرر سے بچاؤ کی بنیاد پر تین دن سے زائد کو جائز نہیں کہتے، جب کہ صاحبین مدت کے معلوم ہونے کو کافی سمجھ کر زائد مدت کی بھی اجازت دیتے ہیں۔ طالب علم کو دونوں اقوال کی دلائل کے ساتھ یہی ترتیب ذہن نشین کرنی چاہیے۔

سوال نمبر 3 (20 نمبر)

سوال: صاحبِ ہدایہ کی درج ذیل عبارت کا ترجمہ اور تشریح کریں۔ نیز مبیع میں تغیر / ہلاکت کے بعد عیب پر مطلع ہونے کی صورت میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔

(20) ــعبارت: قَالَ: (وَلَوْ قَتَلَ الْمُشْتَرِيُ الْعَبْدَ أَوْ أَكَلَ الطَّعَامَ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلَى عَيْبٍ لَمْ يَرْجِعْ بِشَيْءٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ. وَقَالَا: يَرْجِعُ بِنُقْصَانِ الْعَيْبِ.)

تعارف

خیارِ عیب بیع کے اہم حقوق میں سے ہے۔ جب مشتری کوئی چیز خریدے اور بعد میں اس میں ایسا قدیم عیب معلوم ہو جو خریداری کے وقت موجود تھا مگر اس کی نظر سے اوجھل تھا، تو شریعت اسے یہ حق دیتی ہے کہ چاہے تو چیز واپس کر کے پوری قیمت لے لے اور چاہے تو عیب سمیت رکھ لے۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ عیب معلوم ہونے سے پہلے ہی مشتری کے ہاتھوں مبیع میں بڑی تبدیلی آ جاتی ہے یا وہ ہلاک ہو جاتا ہے؛ مثلاً خریدا ہوا غلام مشتری کے ہاتھوں قتل ہو گیا یا خریدا ہوا کھانا اس نے کھا لیا، اور اس کے بعد اسے اصل عیب کا علم ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ عیب کی وجہ سے بائع سے کچھ واپس لے سکتا ہے یا نہیں؟ صاحبِ ہدایہ کی یہ عبارت اسی نازک صورت کا حکم اور ائمہ کا اختلاف بیان کرتی ہے۔ اس جواب میں ترجمے و تشریح کے بعد خیارِ عیب کی بنیاد اور پھر اس مخصوص اختلاف کی دلائل پیش کی جائیں گی۔

عبارت کا ترجمہ

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: اور اگر مشتری نے (خریدے ہوئے) غلام کو قتل کر دیا یا (خریدا ہوا) کھانا کھا لیا، پھر اسے (مبیع میں پہلے سے موجود) عیب کا علم ہوا، تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک وہ (بائع سے) کسی چیز کا رجوع نہیں کرے گا۔ اور صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ) فرماتے ہیں کہ وہ نقصانِ عیب کی مقدار سے رجوع کرے گا۔ یہاں قتل سے مراد مشتری کا اپنے ہی فعل سے مبیع کو ختم کر دینا ہے اور کھانا کھا لینا اس کی عام اور سادہ صورت ہے؛ یعنی مبیع مشتری کے اپنے تصرف سے اس حالت میں نہیں رہا کہ اسے بائع کو واپس کیا جا سکے۔ نقصانِ عیب سے مراد وہ مالی کمی ہے جو عیب کی وجہ سے مبیع کی قیمت میں واقع ہوتی ہے، جس کا حسابی طریقہ آگے بیان ہو گا۔

تشریح: خیارِ عیب کی بنیاد

خیارِ عیب کی بنیاد یہ اصول ہے کہ عقد کا تقاضا یہ ہے کہ مبیع عیوب سے سالم ہو، کیونکہ مشتری نے پوری قیمت سالم اور مکمل چیز کے بدلے میں دی ہوتی ہے۔ جب چیز میں قدیم عیب ثابت ہو جائے تو مشتری کا حقِ رد پیدا ہو جاتا ہے، یعنی وہ چیز اسی حالت میں واپس کر کے اپنی قیمت لے لیتا ہے۔ لیکن رد کے لیے ضروری ہے کہ مبیع اپنی اسی حالت میں موجود ہو جس میں اسے لیا گیا تھا۔ اب اگر مبیع مشتری کے اپنے فعل سے تلف ہو گیا، جیسے غلام کا قتل یا کھانے کا کھا لیا جانا، تو رد عملاً ناممکن ہو گیا۔ یہیں سے اختلاف پیدا ہوتا ہے

کہ آیا رد کے ناممکن ہونے سے مشتری کا پورا حق ختم ہو گیا یا اس کی جگہ عیب کے نقصان کا معاوضہ باقی رہتا ہے۔ یہی مسئلہ عام صورتوں سے بھی جڑا ہے، مثلاً مشتری کے پاس چیز خود بخود مر جائے یا کسی تیسرے شخص کی زیادتی سے ہلاک ہو جائے؛ وہاں رد کے تعذر کی وجہ مشتری کا فعل نہیں ہوتا، اس لیے ان صورتوں کا حکم اس صورت سے مختلف بیان کیا گیا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف اور دلائل

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مذکورہ صورت میں مشتری بائع سے کچھ بھی واپس نہیں لے سکتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مشتری نے مبیع میں ایسا تصرف کیا ہے جس سے اصل چیز کا بقا ختم ہو گیا اور رد کا امکان ہی ختم ہو گیا؛ یہ تعذر اس کے اپنے فعل سے پیدا ہوا ہے، اس لیے اس کا نقصان بھی اسی پر پڑے گا۔ گویا اس نے اپنے فعل سے اپنا حق خود ختم کر لیا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ نقصانِ عیب کا رجوع دراصل رد ہی کا بدل اور اسی کی فرع ہے؛ جب اصل یعنی رد متعذر ہو گیا تو اس کا فرع بھی باقی نہیں رہتی، کیونکہ معاوضہ اس وقت دیا جاتا ہے جب اصل حق قائم ہو۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ قتل و اتلاف جیسا تصرف ملکیت کے استقرار اور چیز کو قبول کر لینے پر بھی دلالت کرتا ہے، کیونکہ جو شخص چیز کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دے وہ اسے ظاہراً اپنی ملکیت میں مستقل طور پر شامل کر چکا ہوتا ہے۔ اس لیے امام صاحب کے نزدیک بائع کو اس کے کیے کی سزا دینا درست نہیں۔ یہ قول احتیاط اور سدِ ذریعہ کے اصول کے عین مطابق ہے کہ کوئی شخص پہلے چیز تلف کرے اور پھر اس کی قیمت میں کمی کا دعویٰ بھی کرے۔

صاحبین کا موقف اور دلائل

امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک مشتری نقصانِ عیب کی مقدار سے بائع کی طرف رجوع کرے گا، یعنی عیب کی وجہ سے قیمت میں جتنی کمی واقع ہوتی تھی، وہ حصہ اسے واپس ملے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ مشتری کا حق صرف رد تک محدود نہیں تھا؛ اس نے سالم چیز کی پوری قیمت ادا کی تھی اور اسے معیوب چیز ملی، لہٰذا اس کے حق میں دو پہلو تھے: اگر رد ممکن ہو تو رد، اور اگر رد متعذر ہو جائے تو عیب کا معاوضہ، تاکہ بائع بلاوجہ اس حصے کی قیمت روک نہ سکے جو معیوب حصے کے مقابل تھی۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مبیع کی ہلاکت کا سبب مشتری کا فعل ضرور ہے، مگر عیب بائع کی طرف سے آیا تھا؛ ظلم کی یہ صورت کہ بائع معیوب چیز دے کر پوری قیمت بھی رکھ لے، انصاف کے خلاف ہے۔

تیسری دلیل قیاس کی وہ صورتیں ہیں جن میں مبیع مشتری کے قبضے میں بغیر اس کے فعل کے ہلاک ہو جائے؛ وہاں نقصان کا رجوع متفقہ طور پر یا اکثریتی طور پر ثابت ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نقصانِ عیب کا حق رد سے مستقل ایک مالی حق بھی ہے۔ صاحبین کا یہ قول لین دین میں انصاف اور ضرر کے ازالے کے اصول کو نمایاں کرتا ہے۔

جدول 1: مبیع کی ہلاکت کے بعد عیب معلوم ہونے کی صورتیں

نقصانِ عیب کا رجوع	رد کی حیثیت	صورت
مشتری مختار: رد کرے یا رکھ لے	رد ممکن ہے	مبیع اپنی حالت پر موجود
ابو حنیفہ: نہیں — صاحبین: ہے	رد متعذر	مشتری کے فعل سے تلف (قتل، کھا لینا)
نقصانِ عیب سے رجوع کا حکم بیان کیا گیا ہے	رد متعذر مگر فعلِ مشتری نہیں	مبیع از خود ہلاک / قدرتی موت
ضامن اجنبی کی طرف رجوع کے ساتھ احکام مرتب ہوتے ہیں	رد متعذر	اجنبی کے فعل سے ہلاکت

نقصانِ عیب کا حسابی طریقہ

نقصانِ عیب معلوم کرنے کا فقہی طریقہ یہ ہے کہ مبیع کی قیمت دو حالتوں میں ماہرین سے لگوائی جائے: ایک اس حالت میں جب وہ عیب سے سالم ہو، اور دوسری اس حالت میں جب وہ عیب کے ساتھ ہو۔ دونوں قیمتوں کے فرق کا جو تناسب سالم قیمت سے بنتا ہے، اسی تناسب سے ادا شدہ ثمن میں کمی کر کے وہ حصہ مشتری کو لوٹایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی چیز کی سالم قیمت دس ہزار اور معیوب قیمت آٹھ ہزار ہو تو نقصان بیس فیصد ہوا؛ اگر مشتری نے وہ چیز نو ہزار میں خریدی تھی تو اسے اٹھارہ سو روپے واپس ملیں گے۔ یہ طریقہ اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ ہر شخص نے الگ الگ قیمت پر سودا کیا ہوتا ہے، اس لیے معاوضہ بھی اسی کے دیے ہوئے ثمن کے تناسب سے ہونا چاہیے، نہ کہ بازار کی قیمت کے حساب سے۔ یہ حساب کتاب عام حالات میں اہلِ خبرہ اور بازار کے جانکاروں کی گواہی سے طے ہوتا ہے۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مبیع کے مشتری کے اپنے فعل سے تلف ہو جانے کے بعد عیب معلوم ہو تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کسی قسم کا رجوع نہیں، کیونکہ رد کا تعذر اس کے اپنے فعل سے پیدا ہوا اور نقصان کا حق اسی رد کی فرع تھا؛ جب کہ صاحبین کے نزدیک عیب کی قیمت کا نقصان واپس ملے گا، کیونکہ مشتری کا مالی حق صرف رد میں منحصر نہیں تھا۔ طالب علم کو یہ اختلاف وجہِ اختلاف سمیت یاد رکھنا چاہیے کہ اصل نزاع اس نکتے پر ہے کہ نقصانِ عیب مستقل حق ہے یا رد کا تابع۔

سوال نمبر 4 (20 نمبر)

سوال: صاحبِ ہدایہ کی درج ذیل عبارت کا ترجمہ و تشریح کریں اور بیعِ باطل و بیعِ فاسد کے درمیان فرق، حکم اور دلائل بیان کریں۔ (20) ــــ عبارت: قَالَ: (وَإِذَا كَانَ أَحَدُ الْعِوَضَيْنِ أَوْ كِلَاهُمَا مُحَرَّمًا فَالْبَيْعُ بَاطِلٌ كَالْبَيْعِ بِالْمَيْتَةِ وَالدَّمِ، وَكَذَا إِذَا كَانَ غَيْرَ مَمْلُوكٍ كَالْحُرِّ، وَالْبَيْعُ بِالْخَمْرِ وَالْخِنْزِيرِ فَاسِدٌ.)

تعارف

ہر عقدِ بیع صحیح نہیں ہوتا؛ بعض سودے اپنے اصل ہی میں خراب ہوتے ہیں اور بعض میں خرابی کسی خارجی وصف کی وجہ سے آتی ہے۔ فقہِ حنفی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے ناجائز سودوں کو دو الگ درجوں میں تقسیم کیا ہے: بیعِ باطل اور بیعِ فاسد۔ اس تقسیم کا بڑا عملی فائدہ یہ ہے کہ دونوں کے احکام، خصوصاً قبضے کے بعد ملکیت اور ضمان کے مسائل، ایک دوسرے سے مختلف ہو جاتے ہیں۔ صاحبِ ہدایہ کی یہ مختصر عبارت اسی تقسیم کی بنیاد ہے، جس میں میتہ، خون اور آزاد انسان کی بیع کو باطل اور شراب و خنزیر کی بیع کو فاسد قرار دیا گیا ہے۔ اس جواب میں ترجمہ و تشریح کے بعد باطل و فاسد کی تعریفات، ان کے باہمی فرق، ہر ایک کا حکم اور دلائل ترتیب سے بیان کیے جائیں گے اور ساتھ ایک تقابلی جدول بھی دیا جائے گا۔

عبارت کا ترجمہ

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: اور جب دونوں عوضوں میں سے کوئی ایک یا دونوں ہی شرعاً ممنوع و حرام ہوں تو بیع باطل ہوتی ہے، جیسے میتہ (مردار) اور خون کے بدلے کی گئی بیع؛ اور اسی طرح جب مبیع سرے سے قابلِ ملکیت ہی نہ ہو، جیسے آزاد انسان، تو بھی بیع باطل ہے۔ اور شراب اور خنزیر کے بدلے کی گئی بیع فاسد ہے۔ یہاں عوضین سے مراد مبیع اور ثمن دونوں ہیں؛ اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ایسی چیز ہو جو شریعت کی نظر میں مال ہی نہ ہو یا ملکیت کی اہل نہ ہو تو سودے کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس شراب و خنزیر کو ایک خاص وجہ سے اس درجے میں نہیں رکھا گیا، جس کی تشریح آگے آتی ہے۔

تشریح: باطل کی صورتیں اور ان کی علت

میتہ یعنی مردار اور بہتا ہوا خون شریعت کی نظر میں مالِ متقوم ہی نہیں ہیں؛ مسلمان کے لیے ان کا استعمال جائز نہیں اور نہ ہی کسی ایسے مذہب کے ماننے والوں کے ہاں عموماً ان کی کوئی معتبر قدر و قیمت پائی جاتی ہے، اس لیے جب یہ چیزیں عوض بنیں تو عقد کا محل ہی معدوم ہو گیا اور بیع باطل ہو گئی۔ آزاد انسان کی صورت اس سے بھی واضح ہے کہ انسان کی ذات کسی کی ملکیت میں آ ہی نہیں سکتی؛ وہ قابلِ تملیک محل ہی نہیں، لہٰذا اس کی خرید و فروخت کا عقد گویا ہوا ہی نہیں۔ اسی اصول پر وہ تمام چیزیں باطل کے دائرے میں آئیں گی جو سرے سے مال نہ ہوں یا قابلِ انتفاعِ شرعی نہ ہوں، مثلاً مچھلی جو ابھی دریا میں آزاد ہو یا ہوا میں اڑتا پرندہ جسے قابو میں کرنا باقی ہو، ان کی تفصیل بھی اسی باب میں آتی ہے۔ غرض یہ کہ جہاں خرابی عقد کے اصل و ذات، یعنی اس کے محلِ یا رکن، میں ہو وہاں بیع باطل کہلاتی ہے۔

شراب و خنزیر کی بیع فاسد کیوں ہے؟

یہ نکتہ اس مسئلے کی جان ہے۔ شراب اور خنزیر مسلمان کے حق میں مالِ متقوم نہیں، کیونکہ مسلمان کے لیے ان کا استعمال حرام ہے؛ لیکن اہلِ ذمہ کے ہاں یہ چیزیں مال شمار ہوتی ہیں، ان کی خرید و فروخت ان کے معاشرے میں جاری ہے اور ان کی مالی قدر بھی موجود ہے۔ لہٰذا ان چیزوں میں مالی حیثیت بالکل معدوم نہیں، اصل چیز یعنی عقد کا محل موجود ہے؛ خرابی اس وصف میں ہے کہ مسلمان کے لیے یہ مال شرعی قدر نہیں رکھتا۔ اسی لیے صاحبِ ہدایہ نے ان کی بیع کو باطل کے بجائے فاسد قرار دیا۔ فقہاء اس فرق کو یوں بیان

کرتے ہیں کہ بیعِ باطل وہ ہے جو اصلاً غیر مشروع ہو اور بیعِ فاسد وہ ہے جو اصلاً مشروع مگر وصفاً غیر مشروع ہو۔ اس تشریح سے یہ بھی واضح ہوا کہ باطل و فاسد کا فرق لفظی نہیں بلکہ عقد کے درجۂ خرابی کا فرق ہے، اور اسی فرق پر قبضہ، ملکیت اور ضمان کے احکام مرتب ہوتے ہیں۔

بیعِ باطل اور بیعِ فاسد کے احکام

بیعِ باطل کا حکم یہ ہے کہ اس سے کوئی شرعی اثر پیدا نہیں ہوتا۔ اگر ایسی بیع میں قبضہ بھی ہو جائے تب بھی مشتری اس چیز کا مالک نہیں بنتا؛ چیز اصل مالک ہی کی رہتی ہے اور جس کے قبضے میں ہو اسے واپس کرنا واجب ہوتا ہے۔ اگر وہ چیز اس کے ہاتھ میں ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن ہوتا ہے، کیونکہ اس کا قبضہ بلا جواز تھا۔ ایسے سودے کو جاری رکھنا یا اس پر رضامند رہنا بھی درست نہیں، کیونکہ سرے سے کوئی عقد وجود ہی میں نہیں آیا۔ اس کے برعکس بیعِ فاسد میں عقد اپنی اصل کے اعتبار سے منعقد ہو جاتا ہے، اس لیے اگر بائع کی اجازت سے مشتری قبضہ کر لے تو اسے ایک ناقص و خبیث ملکیت حاصل ہو جاتی ہے؛ تاہم یہ عقد واجب الفسخ ہے، یعنی دونوں فریقوں پر اسے ختم کرنا اور معاملہ اصل حالت پر لوٹانا لازم ہے، اور اس دوران اس چیز سے نفع اٹھانا مکروہِ تحریمی کے درجے میں رکھا گیا ہے۔ قبضے کے بعد اگر فاسد بیع کی چیز مشتری کے ہاتھ ہلاک ہو جائے تو اس پر اس چیز کی قیمت کا ضمان آتا ہے، مقررہ ثمن کا نہیں، کیونکہ فاسد عقد میں ضمان کا معیار مثل یا قیمت ہوتا ہے۔ فاسد بیع کے فسخ کا حق فریقین کو بھی ہے اور ضرورت پڑنے پر قاضی بھی اسے فسخ کراتا ہے۔

جدول 1: بیعِ باطل اور بیعِ فاسد کا تقابلی جائزہ

پہلو	بیعِ باطل	بیعِ فاسد
تعریف	اصلاً غیر مشروع؛ خرابی محلِ یا رکن میں	اصلاً مشروع، وصفاً غیر مشروع؛ خرابی کسی خارجی وصف میں
مثالیں	میتہ، خون، آزاد انسان کی بیع	شراب و خنزیر کی بیع، جہالتِ فاحشہ والی بیع

ناقص (خبیث) ملکیت ثابت ہوتی ہے	بالکل ثابت نہیں ہوتی	قبضے سے ملکیت
عقد موجود مگر واجب الفسخ	سرے سے عقد نہیں؛ چیز واپس کرنا واجب	فسخ
قیمت کا ضمان آتا ہے	قبضہ کنندہ ضامن، بے جواز قبضے کی بنا پر	ہلاکت پر ضمان
اثر پیدا ہوتا ہے مگر خاتمہ لازم ہے	کوئی شرعی اثر نہیں	اثر

دلائل اور دیگر ائمہ کا موقف

ان احکام کی دلیل سب سے پہلے یہ اصولی فرق ہے کہ شریعت چیز کی ذاتی حرمت اور اس کے وصفی حکم کو الگ الگ دیکھتی ہے۔ قرآن مجید میں مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کی حرمت کا ذکر آیا ہے (سورۃ البقرہ 2:173 کے مفہوم کے مطابق یہ چیزیں مسلمان کے لیے حرام قرار دی گئی ہیں)، مگر فقہاء نے اس حرمت کے درجے اور اس کے معاملاتی اثر کو محل کے اعتبار سے الگ کیا ہے۔ دوسری طرف مال کی تعریف ہی یہ ہے کہ جس کی طرف طبیعت میل کرے اور جسے وقتِ ضرورت کے لیے ذخیرہ کیا جا سکے؛ میتہ و خون اس تعریف پر پورے نہیں اترتے، اس لیے ان کا عوض بننا ہی درست نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک باطل و فاسد کے درمیان یہ اصطلاحی فرق نہیں؛ ان کے ہاں جو بیع شرعی تقاضے پر پوری نہ ہو وہ یکساں طور پر غیر نافذ ہوتی ہے اور قبضے سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اگرچہ بعض ابواب میں انہوں نے بھی درجوں کا لحاظ کیا ہے۔ حنفی تقسیم کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ معاملات کو ان کے درجۂ خرابی کے مطابق الگ حکم دینا عدل و مصلحت کے زیادہ قریب ہے، ورنہ ہر خراب سودے میں قبضہ کنندہ کا درجہ غاصب کے برابر ہو جائے گا حالانکہ بعض صورتوں میں اس نے مالک کی اجازت سے قبضہ کیا ہوتا ہے۔

عملی طور پر اس بحث کا فائدہ آج بھی بہت ہے۔ مثال کے طور پر جو اشیاء سرے سے شرعی مال نہیں، ان کا سودا چاہے تحریری معاہدے سے بھی ہو جائے، ملکیت منتقل نہیں کر سکتا؛ اس کے برعکس جو سودا کسی وصفی خرابی کی وجہ سے فاسد ہو، اسے درست کرنے کا راستہ یہ ہے کہ فریقین اسے فسخ کر کے نیا صحیح عقد کریں، نہ یہ کہ فاسد سودا ہی چلاتے

رہیں۔ طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ باطل اور فاسد کی مثالیں ہدایہ کی عبارت سے جوڑ کر یاد کریں اور ہر مثال کی علت، یعنی محل کی خرابی یا وصف کی خرابی، الگ کر کے بیان کرنے کی مشق کریں۔

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ جب عوضین میں سے کوئی چیز شرعاً مال ہی نہ ہو یا قابلِ ملکیت نہ ہو، جیسے میتہ، خون اور آزاد انسان، تو بیع باطل ہوتی ہے اور اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا؛ اور جب اصل چیز مال ہو مگر اس کا مسلمان کے لیے شرعی اعتبار نہ ہو یا سودے میں کوئی وصفی خرابی آ جائے، جیسے شراب و خنزیر کی بیع، تو وہ فاسد کہلاتی ہے، جس میں قبضے سے ناقص ملکیت آتی ہے مگر فسخ واجب رہتا ہے۔ یہی فرق اور یہی احکام اس سوال کا حاصل ہیں۔

سوال نمبر 5 (20 نمبر)

سوال: صاحبِ ہدایہ کی درج ذیل عبارت کا ترجمہ اور تشریح کریں۔ نیز بیعِ مرابحہ و تولیہ میں خیانت ظاہر ہونے کی صورت میں ائمہ کا اختلاف مع دلائل تحریر کریں۔ (20)

عبارت: قَالَ: (فَإِنِ اطَّلَعَ عَلَى خِيَانَةٍ فِي الْمُرَابَحَةِ فَهُوَ بِالْخِيَارِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللهُ، إِنْ شَاءَ أَخَذَهُ بِجَمِيعِ الثَّمَنِ وَإِنْ شَاءَ تَرَكَهُ، وَإِنِ اطَّلَعَ عَلَى خِيَانَةٍ فِي التَّوْلِيَةِ حَطَّهَا عَنْهُ. وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ رَحِمَهُ اللهُ: يُحَطُّ فِيهِمَا.)

تعارف

بیع کی ایک اہم قسم وہ ہے جس میں فروخت کنندہ اپنی اصل لاگت ظاہر کر کے سودا کرتا ہے؛ ان سودوں کو فقہ میں بیوعِ امانات کہا جاتا ہے، کیونکہ ان کی بنیاد بائع کے بیان کی سچائی پر ہوتی ہے اور مشتری اس کے قول پر اعتماد کر کے سودا کرتا ہے۔ ان میں سب سے مشہور مرابحہ اور تولیہ ہیں۔ چونکہ یہ سودے امانت پر قائم ہیں، اس لیے اگر بائع کی خیانت ثابت ہو جائے، مثلاً اس نے اصل قیمت زیادہ بتا کر جھوٹ بولا ہو، تو اس کا اثر عام بیع سے سخت اور مختلف ہوتا ہے۔ صاحبِ ہدایہ نے اس عبارت میں مرابحہ اور تولیہ میں

خیانت ظاہر ہونے کے احکام اور امام ابو حنیفہ و امام ابو یوسف رحمہما اللہ کے اختلاف کو بیان فرمایا ہے۔ اس جواب میں پہلے مرابحہ و تولیہ کی تعریف، پھر عبارت کا ترجمہ و تشریح، اور آخر میں ائمہ کے اقوال و دلائل تفصیل سے پیش کیے جائیں گے۔

مرابحہ اور تولیہ کی تعریف

مرابحہ اس بیع کو کہتے ہیں جس میں بائع مبیع کو اس کے پہلے ثمن، یعنی اپنی اصل لاگت، کے ساتھ ایک معلوم نفع بڑھا کر فروخت کرے؛ مثلاً وہ کہے کہ یہ چیز مجھے دس ہزار میں پڑی ہے اور میں اس پر ایک ہزار نفع لے کر گیارہ ہزار میں دیتا ہوں۔ نفع کی مقدار معلوم و مقرر ہونا شرط ہے، خواہ وہ مقرر رقم ہو یا اصل قیمت کا مقرر فیصد۔ تولیہ اس بیع کو کہتے ہیں جس میں بائع چیز کو بالکل اسی ثمن پر فروخت کرے جس پر اس نے خود خریدی تھی، نہ نفع لے نہ نقصان برداشت کرے۔ ان دونوں کے ساتھ وضیعہ کو بھی اسی خاندان میں شمار کیا جاتا ہے، جس میں چیز اصل قیمت سے کم پر بیچی جاتی ہے۔ ان سودوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں ثمنِ اول کا معلوم اور سچا بیان عقد کی بنیاد ہے؛ اگر یہی بنیاد جھوٹ پر قائم ہو تو مشتری کی رضا اس مجموعی قیمت پر درحقیقت قائم ہی نہیں ہوئی تھی، اسی لیے خیانت کے نتائج عام سودے سے مختلف رکھے گئے ہیں۔

عبارت کا ترجمہ

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: پھر اگر (مشتری کو) مرابحہ میں (بائع کی) خیانت کا علم ہو جائے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اسے اختیار حاصل ہو گا؛ چاہے تو وہ چیز کو پورے (مقرر شدہ) ثمن پر لے لے اور چاہے تو چھوڑ دے۔ اور اگر تولیہ میں خیانت کا علم ہو تو خیانت کی مقدار اس (کے ذمے لازم ثمن) سے گرا دی جائے گی۔ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں صورتوں میں (خیانت کی مقدار) گرا دی جائے گی۔ یہاں حط سے مراد ثمن میں اتنی کمی کر دینا ہے جتنی مقدار میں بائع نے جھوٹ بولا تھا؛ مثال کے طور پر چیز کی اصل قیمت آٹھ ہزار تھی مگر بائع نے دس ہزار بتا کر تولیہ کی تو دو ہزار کی کمی کر دی جائے گی اور مشتری آٹھ ہزار ہی دے گا۔

تشریح: خیانت کی صورتیں

خیانت صرف اصل قیمت کے بارے میں جھوٹ بولنے کا نام نہیں؛ اس کی کئی صورتیں فقہاء نے شمار کی ہیں۔ ایک یہ کہ بائع اصل ثمن ہی غلط بتائے۔ دوسری یہ کہ اس نے چیز نقد خریدی ہو مگر بتائے کہ ادھار لی تھی، یا اس کے برعکس؛ کیونکہ نقد و ادھار قیمت میں فرق ہوتا ہے اور مشتری کا فیصلہ اس اطلاع سے متاثر ہوتا ہے۔ تیسری یہ کہ سودے کے اخراجات، مثلاً کرایہ یا مرمت، کو اصل قیمت میں ملا کر اس انداز سے بیان کرے کہ مشتری دھوکے میں رہے۔ چوتھی یہ کہ چیز میں خریداری کے بعد پیدا ہونے والے عیب کو چھپائے۔ ان تمام صورتوں میں مشترک بات یہ ہے کہ مشتری کا اعتماد بائع کے اس بیان پر تھا جو بنیادی ثمن سے متعلق تھا، اور اس بیان کا غلط ثابت ہونا ہی خیانت ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ خیانت کا علم مشتری کو قبضے سے پہلے ہو یا بعد میں، اصل حکم قائم رہتا ہے، البتہ اگر اس نے علم کے بعد بھی صریح رضامندی ظاہر کر دی تو اس کا اختیار ختم ہو جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا موقف اور دلائل

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب مرابحہ اور تولیہ میں الگ الگ ہے۔ مرابحہ میں انہوں نے مشتری کو اختیار دیا ہے کہ یا تو پورے مقررہ ثمن پر چیز قبول کر لے یا سرے سے چھوڑ دے؛ خیانت کی مقدار گرا کر زبردستی سودا باقی نہیں رکھا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مرابحہ میں مشتری کی رضا مجموعی ثمن پر تعلق رکھتی ہے، جس میں اصل اور نفع دونوں شامل ہیں؛ اس نے گیارہ ہزار کے مجموعے پر رضا ظاہر کی تھی اس اعتبار سے کہ اصل دس ہزار ہے۔ جب اصل ہی جھوٹ نکلا تو وہ رضا اس بڑھے ہوئے تناسب کے ساتھ باقی نہیں رہی، اور ثمن کی یکطرفہ کمی کر کے نیا حساب لگانا گویا نیا عقد بنانا ہے جو دونوں کی تازہ رضا کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس کے برعکس تولیہ میں صورت مختلف ہے؛ وہاں ثمن وہی اصل قیمت ہے، اس کے سوا کچھ نہیں، اس لیے جب اصل قیمت میں خیانت ثابت ہوئی تو زائد مقدار پر بائع کا استحقاق ہی قائم نہیں ہوا اور وہ مقدار خود بخود گر جاتی ہے، مشتری صرف حقیقی اصل قیمت ادا کرے گا۔ اس فرق سے امام صاحب کی باریک بینی ظاہر ہوتی ہے کہ ہر عقد کو اس کی اپنی ساخت کے مطابق حکم دیا جائے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا موقف اور دلائل

امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مرابحہ ہو یا تولیہ، دونوں میں خیانت کی مقدار گرا دی جائے گی اور سودا اس کمی کے ساتھ برقرار رہے گا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ خیانت کی مقدار کی حد تک مشتری کی رضا سرے سے موجود ہی نہیں تھی، کیونکہ اس کی رضا حقیقی اصل قیمت کی بنیاد پر تھی؛ جھوٹی زائد مقدار بلا عوض ہے اور بائع کو اسے رکھنے کا کوئی حق نہیں۔ جب باطل حصہ نکال دیا جائے تو باقی عقد اپنی صحیح بنیاد پر قائم رہتا ہے، اس لیے پورا سودا ختم کرنے کی ضرورت نہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ عقد کو فسخ کرنے کے بجائے برقرار رکھنا معاملات کے استقرار کے اصول کے بھی مطابق ہے؛ اگر سچ سامنے آتے ہی ہر مرابحہ ختم کرنا پڑے تو تجارتی سلسلے غیر ضروری طور پر ٹوٹیں گے، جب کہ مشتری کے نقصان کی تلافی کمی سے ہو جاتی ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ سے مرابحہ کے بارے میں یہ روایت بھی منقول ہے کہ خیانت کی مقدار اصل ثمن اور نفع دونوں سے اسی تناسب سے گرائی جائے، کیونکہ نفع اصل ثمن کے تابع ہوتا ہے؛ جب اصل گھٹا تو نفع بھی اسی نسبت سے گھٹنا چاہیے۔ یہ روایت بھی اسی اصولی رخ کی تائید کرتی ہے کہ تلافی تناسب کے ساتھ ہو۔

جدول 1: مرابحہ و تولیہ میں خیانت کے احکام کا موازنہ

صورت	امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ	امام ابو یوسف رحمہ اللہ
مرابحہ میں خیانت	مشتری مختار: پورے ثمن پر لے یا چھوڑ دے؛ حط نہیں	خیانت کی مقدار حط کر دی جائے، سودا باقی رہے
تولیہ میں خیانت	خیانت کی مقدار حط ہو جاتی ہے	خیانت کی مقدار حط ہو جاتی ہے
بنیادی وجہ	مرابحہ میں رضا مجموعی ثمن پر تھی	زائد مقدار بلا رضا و بلا عوض تھی

خلاصہ و نتیجہ

خلاصہ یہ ہے کہ مرابحہ و تولیہ امانتی سودے ہیں جن میں بائع کے بیان کی سچائی عقد کی بنیاد ہے، اس لیے خیانت کا اثر بھی عام بیع سے مختلف اور سخت ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ مرابحہ میں مشتری کو پورا اختیار دیتے ہیں کہ پورے ثمن پر برقرار رہے یا سودا چھوڑ دے، جب کہ تولیہ میں خیانت کی مقدار گرا دیتے ہیں؛ امام ابو یوسف رحمہ اللہ دونوں میں حط کے قائل ہیں۔ طالب علم کو ہر قول کی دلیل کے ساتھ یہ فرق یاد کرنا چاہیے۔ ایک فریق کی نظر مجموعی رضا پر ہے اور دوسرے کی نظر بلا عوض زائد مقدار کے عدمِ استحقاق پر۔

USMAN NOTES www.usmannotes.com